© rasailojaraid.com

اسلامی قانون کے بعض امتیازی پہلو

محمود احمد غازی

قانون دراصل یونانی زبان کا لفظ ہے جو سریانی، عبرانی وغیرہ سے ہوتا ہوا عربی زبان میں داخل ہوا۔ اس لفظ کے اصل لغوی معنی ہیں : قوت نافذہ، طاقت، مسطر، ڈنڈا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی زبان میں لفظ Canon قانون اور توپ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ قانون بھی کسی ریاست یا تنظیم کے لئے قوت محرکہ اور قوت نافذہ کا کام دیتا ہے اس لئے اس کو قانون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ آجکل یورپ میں اسم صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً Canon Law جس کے معنی ہیں قانون کلیسا یا قانون قوت (روحانی)

عربی زبان میں بھی یہ لفظ ۔ قانون ۔ مختلف زمانوں میں مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ علامہ ابن منظور الافریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ لفظ قانون مشرقی آلات موسیقی اور مزامیر کے لیے بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ قدیم تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ممتاز مسلم مفکر ابونصر فارابی نے جو علم موسیقی کا بھی ماہر تھا ایک ایسا باجا ایجاد کیا تھا جس کو سن کر پیٹ کا درد ٹھیک ہوجاتا تھا، اس باجیے کو قانون کہا جاتا تھا۔ اسی طرح عربی زبان میں یہ لفظ — قانون — مقیاس کل شئی (کسی چیز کا اندازہ کرنے کا آلہ) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ اسی سے آگے چل کر قاعدہ اور ضابطہ کے معنی پیدا ہوئے۔

''وقانون کل شئی : طریقہ و مقیاسہ، قال ابن سیدۃ و اراھا دخیلۃ،،

ابن منظور نے مذکورہ عبارت لسان العرب جلد دوازدھم (مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶) صفحات ۳۴۸ تا ۳۵۰ میں مادہ قنن پر بحث کرتے ہوئے لکھی ہے۔ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن منظور کے خیال میں یہ لفظ عربی الاصل ہے اور قنن اور قن سے مشتق ہے جس کے معنی خالص اور نسلی غلام کے ہوتے ہیں ۔ قن کے لفظ کو اصمعی نے قنیة سے ماخوذ بتایا ہے جس کے معنی ملک کے ہوتے ہیں ۔ اگر ان دونوں احتمالات کو کہ قانون قن سے اور قن قنیة سے مشتق ہے درست مان لیا جائے تو اس کو ایک دلچسپ اور حیرت انگیز توارد کے سوا اور کیا کہا جائے گا کہ بعض یورپی قانون دانوں نے قانون کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ ضابطہ ہے جو مالک اپنے مملوک کے لئے جاری کرتا ہے ۔

قانون اپنے موجودہ مفہوم میں عربی زبان میں بہت تھوڑے عرصہ سے استعمال ہونا شروع ہوا ۔ اس سے قبل فقہائے اسلام اس مفہوم کو شرع، شریعة، الاحکام الشرعیة وغیرہ الفاظ سے ادا کرتے تھے ۔ لفظ قانون کو Law کے معنی میں مسلمانوں میں سب سے پہلے ترکوں نے استعمال کرنا شروع کیا ۔ عثمانیوں کے ہاں سرکاری و حکومتی قواعد و ضوابط کو قانون Kanun اور قرآن و سنت سے ماخوذ قواعد و ضوابط کو شریعة یا احکام شرعیہ کہا جاتا تھا ۔ چنانچہ اسلامی قوانین کے شہرہ آفاق عثمانی مجموعہ کا نام ہے : مجلة الاحکام الشرعیة ۔ آگے چل کر یہ تمیز بھی ختم ہوگئی اور اسلامی و غیر اسلامی ہر قسم کے قوانین کے لئے لفظ قانون ھی مستعمل ہونے لگا ۔

یورپ کا تصور قانون

قانون کے لئے آج کل یورپی زبانوں میں Lag، Loi، Law اور ان کے مماثل دوسرے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن کے معنی کسی استوار، جامد اور جمی ہوئی شے کے آتے ہیں ۔ اھل یورپ مختلف علوم میں اس لفظ کے مختلف معنی مراد لیتے ہیں، جس طرح ھماری زبان میں قانون کا لفظ بہت سے علوم میں جداگانہ معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے — مثال کے طور پر علم طبیعیات کا Law of Gravity قانون کشش ثقل یا Law of Movement قانون حرکت وغیرہ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید علم السیاست اور علم القانون میں اس سے مراد وہ اصول یا ضابطہ ہوتا ہے جو لوگوں کے باھمی تعلقات یا ریاست اور افراد کے مابین ربط و تعلق کو مطلوبہ نہج پر قائم رکھے ۔ ذیل میں یورپ کے چند نمائندہ اہل فکر کے تصورات قانون کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ ان تصورات کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جاسکے گا کہ قانون کے بارے میں اہل یورپ کا مجموعی تصور کیا ہے ۔ مشہور انگریز قانون‌داں جان آسٹن کہتا ہے : Law is the command of the Sovereign یعنی حاکم اعلی کا حکم قانون ہے ۔ لیکن اس تصور کو خود اہل یورپ میں سے بہت سے دوسرے لوگوں نے مسترد کردیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں آسٹن نے عوامی مزاج، رسم و رواج اور رائے عامہ کو قطعاً نظر انداز کردیا ہے اور ھئیت اجتماعیہ کو فرد واحد کے اشارۂ ابرو کے ماتحت کردیا ہے، یہ نہ صرف ناممکن العمل ہے بلکہ انسانی حریت و شرافت پر ایک قسم کا حملہ ہے، وغیرہ وغیرہ ۔

ٹی ۔ ایچ ۔ گرین کے نزدیک قانون حقوق و فرائض کا وہ نظام ہے جس کو ریاست نافذ کرتی ہے

Law is the system of rights and obligations which the state enforces,

ووڈرو ولسن قانون کی تعریف یوں کرتا ہے

Law is that portion of established thoughts and habits which has gained distinct and formal recognition in the shape of uniform rules backed by the authority and powers of the government.

قانون مسلم خیالات اور عادات کا وہ حصہ ہے جس کو باقاعدہ اور بین طور پر، مربوط اور یکساں قواعد و ضوابط کی شکل میں، تسلیم کیا جاچکا ہو اور اس کو حکومتی قوت و اختیارات کی پشت پناھی حاصل ہو۔

یہ اور اس طرح کی دوسری بہت سی تعریفات کو سامنے رکھنے سے اہل یورپ کے تصور قانون کا جو خاکہ ابھرتا ہے. اس کی رو سے انسانی زندگی کو نظم و ضبط میں لانے والا وہ مجموعہ قواعد و ضوابط جو خود انسانوں کی مرضی سے مرتب کیا جائے اور حکومتی قوت سے اس کا نفاذ عمل میں آئے قانون ہے ۔ اس تعریف کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رو سے قانون کے وجود میں آنے کے لئے چار پیشگی شرائط Pre-Requisites کا پایا جانا ضروری ہے :

اول انسانوں کا گروہ جس کے مسائل حل کرنے، جس کے معاملات کو چلانے اور جس کے افراد میں نظم و ضبط کو پیدا کرکے اس کو قائم رکھنے کے لئے قانون کی ضرورت ہے۔

دوم مجموعہ قوانین جس کے ذریعے اور جس کے مطابق اس مقصد کو حاصل کیا جائے۔

سوم عوام کی مرضی جس کی عکاسی مجموعہ قوانین میں کی گئی ہو۔

چہارم حکومتی طاقت و اقتدار جس کے ذریعے پہلی تینوں شقوں کو عملی جامہ پہنا یا جائے۔

انسانی معاشرہ میں نظم و ضبط کے قیام کی ضرورت ابتداً ہی سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ تاریخ کے تقریباً ہر دور میں الہی قوانین کے ساتھ ساتھ ہم کو ایسے ''قوانین،، بھی نظر آتے ہیں جو بادشاہوں، پروہتوں اور اسی طرح کے دوسرے سیاسی یا مذہبی لوگوں کی طرف سے ''عوام کے لئے،، بنائے جاتے رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی مرضی اور منشاً سے جو چاہتے قانون کے نام سے بنا کر نافذ کرڈالتے اور خود کسی ضابطہ کے پابند نہ ہوتے۔ اس زمانے میں عام لوگ بالخصوص اہل یورپ پوری سنجیدگی کے ساتھ یہی سمجھتے رہے کہ قانون وہی ہے جسے اس طرح کے لوگ قانون قرار دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جان آسٹن جو مغربی سیاسی مفکرین میں نمایاں مقام اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے مثالی قانون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''قانون وہ قاعدہ اور ضابطہ ہے جو ایک صاحب امر ذہین شخص اپنے ماتحت کے لئے وضع کرے،،۔ بعض دوسرے معاشروں میں بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کے بجائے رسم و رواج اور معاشرتی قیود و حدود کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور یہی رسم و رواج قانون کا درجہ حاصل کرلیتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن عہد جدید کے یورپ نے ان تمام قدیم بتوں کو پاش پاش کرکے عوام کو اپنا اله بنایا اور آج دنیا کے بیشتر ممالک میں ''عوام کی مرضی،، سے قوانین بنتے اور بگڑتے ہیں ، اسی لئے آج دنیا میں قانون کی تدوین اور اس کے نفاذ کے لئے ''عوام کی مرضی،، کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے ۔ لیکن عملاً عوام کی مرضی جس قدر اور جیسی کچھ ہوتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔

دنیا میں نظام معاشرہ ، ضابطہ زندگی، قانون حکومت، آئین مملکت وغیرہ مختلف اصطلاحات رائج ہیں، لیکن قرآن کریم نے ان سب کی جگہ ایک جامع اور ہمہ گیر اصطلاح دی ہے اور وہ ہے ''الدین،، ۔ یہاں ''الدین،، کے لغوی معانی و مفاہیم سے بحث کرنا اور اس کے گوناں گوں استعمالات کا استقصاء کرنا منظور نہیں ہے ۔ مختصرا اتنا جان لینا کافی ہوگا یہ ایک ایسی وسیع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے کہ ہم کو شاید ہی اس کا مرادف کوئی لفظ دنیا کی کسی زبان میں مل سکے ۔ ''الدین،، میں نظام معاشرہ، ضابطۂ حیات، قانون مملکت، آئین حکومت، دستور ملی، مذہبیات، روحانیات، اخلاقیات وغیرہ سب شامل ہیں ۔ قرآن کریم کی رو سے دین صرف دو طرح کے ہوسکتے ہیں دین حق اور دین باطل ۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک اسلام کے سوا جتنے دین بھی لوگوں نے بنائے ہیں وہ سب ادیان باطلہ ہیں ۔ قرآن کریم صرف ایک دین کو دین حق، دین جائز(۱) اور دین مقبول تسلیم کرتا ہے اور وہ دین اسلام ہے ۔ قرآن صاف صاف کہتا ہے :

ان الدین عنداللہ الاسلام ۔ بلاشبہ اللہ تعالی کے نزدیک (برحق، جائز اور مقبول) دین صرف اسلام ہے ۔ (آل‌عمران)

ایک دوسرے مقام پر ہے :

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین (آل عمران)، اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو

---

(۱) یہاں دین جائز سے مراد ہے The only legitimate way of life

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(نہ صرف یہ کہ) اس سے یہ دین قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ آخرت میں بھی وہ شخص نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۔

دین حق — اسلام — کے بنیادی اجزاء جو اس کا ڈھانچہ مقرر کرتے اور اس کی ہئیت ترکیبی کا تعین کرتے ہیں وہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے وقت سے لے کر آج تک ایک ہی رہے ہیں ۔ مثلاً توحید، ربوبیت خداوندی، رسالت، آخرت، جزاء و سزا وغیرہ ۔ رہا دین کا وہ حصہ جس میں حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے رد و بدل کیا جاتا رہا اور آخرکار اس کو اپنی مکمل اور آخری شکل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا شریعت کہلاتا ہے ۔ اگر بلا تشبیہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ دین کا پہلا حصہ بمنزلہ روح کے ہے جبکہ دوسرا حصہ — شریعت — جسد کی حیثیت رکھتا ہے ۔ جس طرح ایک ننھا بچہ عمر کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا انتہائے شباب اور کہولت کی منازل تک جا پہنچتا ہے اور ان مراحل سے گذرنے کے دوران اس کی روح وہی رہتی ہے لیکن بدن میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں تا آنکہ وہ اپنے منتہائے ترقی کو پہنچ جاتا ہے اسی طرح دین کے یہ دونوں بڑے اجزاء یعنی ایمانیات و عقائد اور شریعت بھی آپس میں کچھ اسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں ۔ دین کی روح یعنی ایمانیات و عقائد کے بنیادی اصول حضرت آدم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اور آپ کے دور سے آج تک وہی رہے ہیں اور جب تک دین حق دنیا میں باقی ہے ایک ہی رہیں گے، لیکن شریعت کے اصول و ضوابط میں پیہم تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور جوں جوں انسانی معاشرہ تہذیب و تمدن اور اس کے مظاہر و لوازم میں ترقی کرتا گیا اس کی ضروریات کے مطابق شریعت میں ترقی و تبدیلی ہوتی رہی ۔ ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں جب انسانی معاشرے اور انسانی تہذیب و تمدن کا دخول اپنی ترقی، وسعت اور پیش رفتگی کے آخری اور بین الاقوامی دور میں ہونے والا تھا ٹھیک اسی وقت خالق کائنات نے اپنی آخری اور مکمل شریعت کا نزول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرکے دین کو مکمل کردیا اور اپنی اس عظیم الشان نعمت کو تمام کردیا جس کا وہ قرآن میں بار بار ذکر کرتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدۃ)

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اس طرح میں نے تم پر اپنی نعمت کو تمام کردیا اور تمہارے لئے میں نے اسلام ہی کو واحد دین کے طور پر پسند کیا۔

اب آئندہ بھی اجماع، قیاس، اجتہاد، استحسان، استصلاح وغیرہ کی جس قدر گنجائش ہے وہ اسی حصہ میں ہے۔ پچھلی شریعتیں چونکہ حدود زمان و مکان کے لئے ہوتی تھیں اس لئے نہ ان میں تغیر و تبدل اور لچک کی گنجائش تھی اور نہ اس کی مطلق ضرورت تھی۔ لیکن شریعت محمدیہ چونکہ زمان و مکان کی حدود و قیود سے ماوراء ہے اس لئے اس میں اس طرح کی گنجائش کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگر شریعت محمدیہ میں یہ گنجائش نہ ہوتی تو اس کی آفاقیت، ہمہ گیری اور ابدیت پر حرف آجاتا۔

اسی آفاقیت، ہمہ گیری اور ابدیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے شریعت محمدیہ کو دو قسم کے عناصر پر مشتمل بنایا گیا ہے۔ پہلا بڑا اور بنیادی عنصر وہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تغیر کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے، اور یہ وہ حصہ ہے، جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ماخوذ سنت نبوی سے ثابت ہے، اسی کی وجود سے دین و شریعت کی ہر دو حیثیت ترکیبی قائم ہے۔ دوسرا حصہ قیاس و اجتہاد پر مبنی ہے جن میں شریعت نے ہم کو اختیار دیا ہے۔ اس میں ہم اپنے آئندہ حالات کے اعتبار سے بعض حدود کے اندر رہتے ہوئے اور بعض اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے — بعض شرائط کی پابندی کے ساتھ تبدیلی کے بالکل مجاز ہیں۔ قرآن و سنت میں بہت سے اصول و ضوابط اس کام کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کئے گئے ھیں ۔ انہی اصول و ضوابط کو بنیاد بنا کر فقہاء نے اصول فقہ جیسے عظیم الشان علم کی بنیاد رکھی اور اس کو ترقی دیکر اوج ثریا پر پہنچادیا ۔ یہ اصول فقہ ھی ھے جو شریعت کے ھر دو عناصر سے زندگی کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں میں کام لینے اور ان سے احکام کا استنباط کرنے میں ھماری واضح اور کلی راھنمائی کرتا ھے ۔

تاریخ عالم میں جس قدر نظامہائے قانون پیدا ھوئے ھیں یا لوگوں نے پیدا کئے ھیں ان سب کے مقابلہ میں اسلامی قانون (شریعت) کو بعض ایسی خصوصیات و ممیزات حاصل ھیں جن سے دوسرے نظامہائے قانون یکسر عاری ھیں، ان خصوصیات نے اسلامی قانون اور دنیا کے دوسرے قوانین کے درمیان ایک ایسی حد فاصل کھینچ دی ھے جس کو دیکھ کر ھر دانا و بینا فوراً سمجھ سکتا ھے کہ حق کدھر ھے اور باطل کدھر، کمال کس کو حاصل ھے اور نقص کس میں ھے، ازلی اور ابدی کون ھے اور عارضی اور وقتی کون، عالمگیریت کی صفت کس میں ھے اور مقامیت کی کس میں ۔ ان خصوصیات کی بناء پر کسی دوسرے نظام قانون کو اسلامی نظام قانون سے برتر تو کجا اس کے برابر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ یہ خصوصیات اس قدر بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتی ھیں کہ انہوں نے نہ صرف پورے نظام قانون کی روح کو یکسر بدل دیا ھے بلکہ قانون کا مقصد و مدعا بھی بہت بلند اور عالی مرتبت بنادیا ھے ۔

سب سے اولین اور سب سے اھم خصوصیت جو اسلامی قانون کو حاصل ھے وہ یہ ھے کہ یہ ایک یا چند انسانوں کا خود ساختہ نہیں، بلکہ خود خالق کائنات نے انتہائی محفوظ طریقہ سے وحی کے ذریعہ اپنے پیغمبروں پر نازل کیا ھے اور اپنی مکمل اور آخری شکل میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا، اسلامی نظام کے اس تسلسل اور محفوظ نزول کو قرآن کریم میں اس طرح واضح کیا گیا ھے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وانه لتنزیل رب العلمین ، نزل به الروح الامین ، علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین ، وانه لفی زبر الاولین : (سورۃ الشعراء ، آیات ۱۹۲ تا ۱۹۶)

اور یہ (قرآن، یہ نظام اور یہ قانون) رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لیکر آیا ہے، آپ ص کے قلب پر صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ ص بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں، اور یہ پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے (۱) ۔

اسلامی قانون کے ظہور پذیر ہونے کی یہ صورت قطعاً نہیں کہ ابتداء میں یہ چند معمولی اصول تھے جو مرور ایام سے ترقی کرتے گئے اور آخر وہ شکل اختیار کرلی جو اب ہمارے سامنے ہے، اس کے وجود پذیر ہونے کی یہ صورت بھی نہیں ہے کہ کسی معاشرے میں ابتداء کچھ رسوم موجود تھے اور ان کو بعد میں مدون کرلیا گیا، نہ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی خاص زمانے میں کسی قبیلہ یا برادری میں نظم و ضبط قائم کرنے کے لئے کچھ قواعد و ضوابط موجود تھے اور ان قواعد و ضوابط پر قبیلہ کا سردار یا کوئی اور ذمہ دار شخص زبردستی لوگوں سے عمل کرایا کرتا تھا اور بعد میں انہی قواعد و ضوابط کو کسی خاص قانون کے نام سے مدون کردیا گیا، اسلامی قانون کے وجود پذیر ہونے کی صورت وہ بھی نہیں ہے جو نظریۂ معاہدۂ عمرانی کے علمبردار قانون کے وجود پذیر ہونے کے سلسلہ میں تجویز کرتے ہیں، یعنی ابتدا میں تمام انسان بغیر کسی نظم و ضبط اور قاعدہ و قانون کے دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے اور اس معمورہ میں جنگل کے قانون کے سوا کوئی قانون نہ تھا اس لئے کمزوروں نے اپنی جان مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے زور آوروں سے ایک معاہدہ کرلیا اور اس طرح باہم مل جل

---

۱ ۔ یعنی قرآن کریم جو نظام زندگی ، جو بنیادی شریعت اور جو دین پیش کرتا ہے ٹھیک وہی نظام زندگی ، شریعت کے وہی بنیادی اصول اور وہی دین اس سے پہلے نازل کی جانے والی کتابوں میں بھی پیش کیا گیا تھا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر رہنے کا آغاز ہوا اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں جو تفریعی اصول و ضوابط وجود میں آئے ان کو قانون کا نام دیا گیا ۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی دوسری صورتیں جو یورپ کے قانون دانوں کی موشگافیوں اور تخیلاتی جولانیوں کی پیداوار ہیں دوسرے انسانی بالخصوص یورپی نظام ہائے قوانین کی آفرینش کی کہانیاں تو ہوسکتی ہیں لیکن اسلامی قانون کے ظہور سے ان کو کوئی علاقہ نہیں ۔ اسلامی قانون کو اللہ تعالی نے قرآن مجید اور پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی صورت میں نازل کیا ہے ۔ یہ حجتہ الوداع کے روز بھی اسی طرح مکمل اور جامع تھا جس طرح آج ہے، اس کا مقصد و مدعا جو اول روز تھا بعینہ وہی آج بھی ہے، اس میں نہ اس وقت کسی قسم کی کجی یا جھول کا نشان ملتا تھا نہ آج ملتا ہے ۔ اس کے بنیادی اور غیر متغیر اصول جوں کے توں موجود و محفوظ ہیں، اب یہی وہ لازمی شریعت ہے جس کے سوا کوئی دوسری شریعت (نظام قانون) اللہ تعالی کے ہاں قبول نہیں، اب صرف وہی شخص مسلمان رہ سکتا ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہو اور اس پر عمل کرتا ہو، اس سے اعتقاداً یا عملاً انکار کرنے والا شخص، جماعت یا گروہ ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمان نہیں رہ سکتا ۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ، وھو فی الاخرۃ من الخاسرین ۔

اور جو شخص دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا ۔ اور آخرت میں ایسے شخص کا شمار نقصان اٹھانے والوں میں کیا جائے گا ۔

اسلامی قانون کی دوسری اہم خصوصیت اس میں تغیر و ثبات کا وہ حسین امتزاج ہے جس سے بہتر ذہن انسانی کے تصور میں نہیں آسکتا ۔ تغیر و ثبات کا مسئلہ انسانی زندگی کا ایک ایسا اہم پہلو ہے جس سے تقریبا تمام ہی معاشرتی علوم کو واسطہ پڑتا ہے ۔ قانون، فلسفہ، مابعدالطبیعیات، الٰہیات، فلسفہ تاریخ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم المعاشرت، مدنیت، علم الاخلاق غرض ہر علم میں یہ مسئلہ اہم ترین مسائل میں سے ہے ۔ ذیل میں ہم قدرے تفصیل سے اس مسئلہ کا جائزہ(۱) لیکر دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ان دونوں میں کس طرح توازن و امتزاج پیدا کیا ہے ۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ یہ دنیا، اس میں پائی جانے والی تمام اشیا اور ان کے احوال و صفات ہر دم متغیر ہیں ۔ کسی خاص علاقے ،کسی خاص قوم یا کسی خاص فرد کے جو احوال آج سے پچاس سال قبل تھے وہ اب نہیں ہیں ۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ جب کوئی قانون وجود میں آتا ہے وہ لامحالہ اپنے ہی زمانہ کے احوال و اطوار کو پیش نظر رکھتے ہوئے وجود میں آتا ہے، یا کم از کم اس قانون کے فوری انطباق اور عملی تشریح و توضیح میں زمانۂ وجود قانون کے احوال و اطوار کو پیش نظر رکھا جاتا ہے ۔ اس لئے ہر قانون خواہ وہ کتنا ہی جامع، مانع اور ہمہ گیر کیوں نہ ہو کچھ مدت گذرنے کے بعد ان تمام ضروریات و حوائج کو جن کے لئے وہ ابتداً بنایا گیا یا نافذ کیا گیا تھا کافی و حاوی نہیں رہتا، وجہ ظاہر ہے کہ جو ضرورت یا حاجت اس قانون کی داعی ہوئی تھی وہ مرورایام سے کلاً یا جزاً بدلتی رہتی ہے، یہ تبدیلی کبھی حالات و اطوار کی تبدیلی کی مرہون منت ہوتی ہے کبھی محض مرور ایام کی اور کبھی کسی اور سبب کی ۔

یہ ایک بالکل فطری صورت حال ہے اور دنیا کے ہر نظام قانون کو پیش آتی ہے اس طرح کی صورت حال میں ہوتا یہ ہے کہ قانون ان ضروریات و حوائج کے لئے تو کلی طور پر کافی ہوتا ہے جن کے پیش نظر وہ بنایا گیا تھا یا جن کے ظروف زمانی و مکانی میں ابتداءً اس کو نافذ کیا گیا تھا، لیکن تبدیل شدہ حالات و اطوار اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال اور ضروریات و حوائج کے لئے ناکافی یا مبہم ٹھہرتا ہے ۔

(۱) یہ جائزہ صرف اس حد تک ہو گا جس حد تک کہ اس مسئلہ کا تعلق علم قانون سے ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حقیقت کو ہم دو ایک مثالوں سے واضح کرتے ہیں ۔ سب جانتے ہیں کہ ہمارے نظم قانون میں سودی کاروبار حرام ہے ۔ اور اگر سود کی بنیاد پر کوئی شخص کاروبار کرلے تو وہ کاروبار باطل اور اس سے حاصل شدہ منافع مال حرام ہوگا جس کی ملکیت بھی باطل ہوگی ۔ لیکن جن حوائج و ضروریات، اور جن حوادث و واقعات میں ان قوانین کو اول اول نافذ کرکے ان کی عملی تشریح وتوضیح اور تعبیر پیش کی گئی تھی وہ اب بہت کچھ متغیر ہوگئے ہیں ۔ جس وقت، جس زمانہ، جس ماحول اور جس علاقہ میں حرمت ربا کے احکام نازل کئے گئے تھے ان میں سے اب کچھ بھی اپنی اس صورت پر باقی نہیں رہا ۔ اس وقت عام طور پر سودی کاروبار کی جو صورت تھی وہ یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو روپیہ قرض دیکر اس کا کرایہ وصول کرتا تھا، سونا چاندی، اور خوردنی اشیا کا لین دین کرتے وقت وہ لوگ کمی بیشی کرتے تھے، سود کی اس طرح کی متعدد سیدھی سادھی اور سہل الفہم اقسام ان میں رائج تھیں ۔ اس قسم کا سود ہمارے زمانہ میں محض دیہاتوں تک محدود ہے ۔ بڑے بڑے شہروں اور بالخصوص جدید بنکاری نظام کے مرکزوں میں سود کی اس قدر کثیر التعداد، جامع اور پیچیدہ صورتیں ابلیس اور اس کی ذریت (علیہم ما علیہم) نے ایجاد کی ہیں کہ ان سب کو کماحقہ سمجھنے اور تحلیل کرنے کے لئے بڑا وقت درکار ہوتا ہے، ان لوگوں نے سود، بیع، مضاربت، شرکت، امانت، ودیعت، مزارعت، خداع، غصب اور حلال و حرام کے دوسرے ابواب کو اس طور پر خلط ملط کردیا ہے کہ سابقہ احکام کے محض الفاظ سے ان تمام صورتوں کے متعلق حکم لگانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ، ہر کس و نا کس یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ اس ملغوبہ میں کس قدر عنصر حلال کا ہے اور کس قدر حرام کے اجزا اس میں ملا دئیے گئے ہیں ۔

اس طرح کی صورت حال ہر قانون کو پیش آتی ہے، یہ ایک ایسا فطری امر ہے جس سے کوئی انسانی یا الہی قانون آج تک خالی نہیں ہو سکا ہے، ہر زمانے میں دنیا کی ہر متمدن قوم کو اس سے سابقہ پڑا ہے، دنیا کی کسی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم میں جو قانون یا ضابطہ نافذ کیا جاتا ہے وہ کتنا ہی جامع مانع کیوں نہ ہو ایک مدت گزرنے کے بعد کسی نہ کسی مقام پر جاکر مبہم ہوجاتا ہے یا نا کافی ٹھہرتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون(۱) بہرحال چند محدود الفاظ لہذا چند محدود معانی و مفاہیم پر مشتمل ہوتا ہے، ان الفاظ، معانی اور مفاہیم کو کیسا ہی جامع اور ہمہ گیر انداز سے مرتب کرکے قانون بنایا جائے لیکن ظاہر ہے کہ اس میں لامحدودیت ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی جبکہ اس کے برعکس وہ حالات، واقعات، ضروریات اور حوائج جن سے نبٹنے کے لئے قانون بنا یا جاتا ہے بہرحال لامحدود ہوتے ہیں اسی طرح وہ ازمنہ جن میں اس قانون کو منطبق کیا جائے گا لاتعداد ہوں گے ۔

اب ایک بہت بڑا اور اہم سوال جس کے جواب پر اصول فقہ یا اصول قانون کی ساری بنیاد ہے یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ابہام یا عدم کفایت کو کیسے دور کیا جائے ؟آیا کوئی صورت ایسی ہوسکتی ہے جس کو کام میں لاکر علم قانون کی اس پیچیدگی سے چھٹکارا حاصل کیا جائے ۔ اور ہوسکتی ہے تو وہ کیا ہے ؟

دنیا کے ہر نظم قانون نے اس شکل کے کچھ نہ کچھ حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، بعض قوانین نے ججوں اور قاضیوں کے فہم و بصیرت پر اس امر کا فیصلہ چھوڑدیا ہے کہ وہ اس پیچیدگی سے جس طرح چاہیں عہدہ برآ ہوں، بعض قانون دانوں نے قانون کی مجموعی روح اور مزاج کو پیش نظر رکھ کر اس طرح کی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کی تلقین کی، روح اور مزاج کا تعین کس ضابطہ کے ماتحت ہو اور کس اصول یا معیار کی بنیاد پر اس کا یقین کرلیا جائے کہ کوئی جج صحیح طور پر کسی قانون کی روح اور مزاج کو سمجھا ہے یا نہیں اس کا کوئی تعین یہ لوگ نہیں کر پائے، بعض لوگوں نے منطق، صرف، نحو او

---

۱ ۔ واضح رہے کہ اس پوری بحث میں قانون سے ہماری مراد نصوص قطعیہ شرعیہ نہیں ہیں، بلکہ شریعت کا وہ حصہ ہے جو متغیر و متبدل ہوتا رہتا ہے ۔ جس پر بحث آگے آتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے مسائل، علوم سے کام لینے کا مشورہ دیا، لیکن ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر کہاں تک فوقیت یا ترجیح ہو اور کہاں تک نہ ہو یہ مسئلہ پھر تشنہ رہ جاتا ہے۔

ان سب صورتوں پر غور کرنے سے دو باتیں صاف طور پر سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ وہ نظامہائے قانون جو مذکورہ صورت حال میں مذکورہ حل پیش کرتے ہیں ابدی اور آفاقی نظامہائے قانون نہیں ہیں، بلکہ زمان و مکان کے قیود سے مقید ہیں اور اسی لئے ان سے مذکورہ حلوں ہی کی توقع کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا اصولوں کو تعبیر قانون اور تطبیق قانون کے معاملہ میں وہی نظام قانون اختیار کر سکتا ہے جو کسی خاص علاقے تک محدود ہو اور اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہ ہو کہ وہ رہتی دنیا تک زندہ رہے۔ دنیا کے دوسرے قوانین کے بارے میں ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب وہ زمانے کا ساتھ دینے سے یکسر عاجز ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی بھی ختم ہوجاتی ہے۔

۲۔ دوسری اہم بات جو ان تجاویز سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے جو نظام قانون اس طرح کی کھلی چھٹی اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے یا دے سکتا ہے وہ کوئی وحدانی اور یکساں (Unified) سسٹم نہیں ہے بلکہ پراگندہ، منتشر اور غیر متناسب الاجزاء عناصر کا مجموعہ ہے۔ جبکہ اسلام زندگی کی ایک مفصل اور مجموعی اسکیم کا نام ہے، یہ ایک ایسا کل ہے جس کے تمام اجزاء نہ صرف اپنی اصل کے ساتھ بلکہ باہمدگر پوری طرح مربوط ہیں، یہی حال اسلامی نظام قانون کا ہے کہ وہ اپنی Major Scheme کے ساتھ مرتبط ہونے کے ساتھ نہایت جامع اور متناسب الاجزاء ہے، وہ تغیر و ثبات کے مسئلہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس طرح کی سطحی، بے ربط اور پراگندہ کن تدابیر سے کام نہیں لے سکتا۔ اس مسئلہ کا اس کا اپنا الگ مخصوص حل ہے جو ایک مربوط اور Unified نظام ہی کا ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح ہونا چاہئے کہ اسلامی نظریہ کی رو سے ذات باری تعالی ہی حقیقت الحقائق ہے اور وہی کائنات میں پائی جانے والی ہر موجود اور زندہ شے کے وجود اور زندگی کی روحانی اساس ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالی کی اطاعت کو فطرت صحیحہ کی اطاعت قرار دیتا ہے ۔

فاقم وجهك للدين حنيفا، فطرة الله التى فطرالناس عليها، لا تبديل لخلق الله، ذلك الدين القيم ، ولكن اكثر الناس لا يعلمون (الروم) یکسو ہوکر اپنا منہ دین حق کی طرف رکھو، یہی اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ۔ اور اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، یہی دین قیم ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ۔

اسلام کے نزدیک زندگی کی یہ روحانی اساس — ذات باری تعالی — ایک قائم و دائم وجود ہے : هوالله الذى لااله الاهو، الحى القيوم، وہ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ زندہ ہے اور قیوم ہے (خود بھی قائم و دائم ہے اور کائنات کو بھی قائم رکھے ہوئے ہے) ۔ یہ قائم و دائم وجود جو اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بے مثل ہے ہم کو اختلاف و تغیر میں جلوہ گر نظر آتا ہے : قرآن کہتا ہے :

كل يوم هو فى شان ، وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے (الرحمن)، اب ظاہر ہے کہ ایسا کوئی معاشرہ جس کی زندگی کی اساس ہی ان خصوصیات کی حامل ہستی ہو اور اس کے تمام تر تصورات و نظریات کی بنیاد حقیقت مطلقہ کے اس تصور پر مبنی ہو تو نہایت ضروری ہے کہ وہ معاشرہ اپنی زندگی میں ثبات اور تغیر دونوں خصوصیات کا لحاظ رکھے ۔ اس معاشرہ میں کچھ اس قسم کے دوامی اور آفاقی اصول ہونے چاہئیں جو حدود زمان و مکان سے بالکل بالاتر ہوں اور حیات اجتماعیہ میں نظم و انضباط قائم رکھیں، اس لئے کہ جب تک ہمارے پاس کچھ دوامی اور آفاقی اصول نہیں ہوں گے ہم مسلسل بدلتی ہوئی اس دنیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نہ اپنے قدم مضبوطی سے جما سکیں گے اور نہ اپنی امتیازی خصوصیات کو باقی رکھ سکیں گے اور نہ اپنے ملی تشخیص کی حفاظت کرسکیں گے ۔ لیکن ان دوامی اور آفاقی اصولوں کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے تغیر و تبدل کے جملہ امکانات کی نفی ہو جائے، اس لئے کہ اسلام نہ صرف تغیر اور تبدیلی کو پسند کرتا ہے بلکہ جائز اور مناسب حدود کے اندر اس کو پروان بھی چڑھاتا ہے ۔ قرآن پاک میں تغیر و تبدل کو اللہ تعالی کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی قدرت کی علامتوں میں سے ایک علامت بتا یا گیا ہے ۔

ومن آیاته خلق السموات والارض و اختلاف السنتکم و الوانکم، ان فی ذلك لایات للعلمین . . . . و من آیاته یریکم البرق خوفا و طمعا و ینزل من السماء ماءً فیحیی به الارض بعد موتها ان فی ذلك لایات لقوم یعقلون ، (الروم)

اور اس کی آیات میں سے یہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، تمہاری زبانیں اور تمہارے رنگ مختلف بنائے، بلا شبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں . . . . اور اس کی آیات میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے، کبھی خوف دلانے کے لئے اور کبھی لالچ دلانے کے لئے، اور آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر اس پانی کے ذریعے زمین کو زندہ کر ڈالتا ہے بعد اس کے کہ وہ مردہ ہوچکی تھی ۔ بلا شبہ اس میں آیات ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھنے والے اور عقل سے کام لینے والے ہیں ۔

اس مفہوم کو قرآن پاک کی اور بھی بہت سی آیات میں بیان کیا گیا ہے ۔

اب اس حقیقت کے باوجود کہ قرآن کریم تغیر کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے بلکہ اس کو آیة من آیات اللہ قرار دیتا ہے اگر اسلامی نظام قانون میں تغیر اور تبدیلی کی جائز اور مناسب گنجائش کے امکانات کو بالکلیہ مسدود کردیا جاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ایک ایسی شے کو جس کی فطرت ہی حرکت ہے حرکت سے عاری کردیا جائے، اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کو اس کی فطرت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاری کردینا اس کی موت کے مترادف ہے ۔ اور اس میں اسلامی قانون یا اسلامی معاشرہ ہی کی کیا خصوصیت ہے اسلام تو خود کائنات کو بھی ساکن و جامد شے تسلیم نہیں کرتا جس کی کہ تکمیل ہو چکی ہو اور اسے جو کچھ بننا تھا بن چکی ہو بلکہ وہ کائنات کو متحرک شے قرار دیتا ہے جس کی تکوین و تخلیق کا عمل جاری ہے :

یزید فی الخلق ما یشا (فاطر) اللہ تعالی تخلیق کائنات میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا رہتا ہے یہ اصول کہ کسی جماعت یا گروہ یا کسی ھئیت اجتماعیہ انسانیہ کا نظم و انضباط اور اس کے تشخص کی بقا' چند دوامی اصولوں کی موجودگی پر منحصر ہے تاریخ انسانی میں ہر دور، ہر جگہ اور ہر حالت میں جاری و ساری نظر آتی ہے ۔ انسانی زندگی کے سیاسی اور اجتماعی پہلوؤں میں اہل یورپ کی مسلسل ناکامیاں اس کا واضح ثبوت ہیں، جہاں ہر روز نظریے بنتے اور بگڑتے ہیں، معاشرے وجود میں آتے ہیں اور تباہ ہوجاتے ہیں، اقدار ایک روز کچھ ہوتی ہیں اور دوسرے روز کچھ ۔ اسلام میں یہ بات نہیں، یہاں نصوص قطعیہ اور سنت ثابتہ کی شکل میں وہ دوامی اصول ہم کو دے دئے گئے ہیں جن پر ہمارے نظریات کی بنیاد ہے، جن کے سہارے ہمارا معاشرہ وجود میں آتا اور قائم رہتا ہے اور جن کے ذریعے ہماری اقدار کا تعین ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں نہ ہر روز نظریے بنتے اور بگڑتے نظر آتے ہیں، نہ ہمارے معاشرے میں وہ تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں جن سے آج دنیا کو سابقہ پیش آرہا ہے اور نہ ہماری اقدار روز روز بدلتی ہیں ۔ ساتھ ہی ان نصوص قطعیہ اور سنت ثابتہ کی حدود کے اندر ہم کو اجماع، اجتہاد، استحسان اور استصلاح وغیرہ کے وہ اصول بھی دے دئے گئے ہیں جن کے ذریعے ہم ہردم بدلتی ہوئی اس دنیا میں باوقار زندگی بسر کرسکتے ہیں ۔ نصوص قطعیہ اور سنت ثابتہ میں بیان کردئے گئے اصولوں کے علاوہ دوسرے پہلوؤں میں ہم کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ ہم ان اصولوں کی روشنی میں جس حد تک بھی ضرورت ہو تغیر و تبدل کا ساتھ دے سکیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی قانون کا ایک اور اہم امتیازی پہلو یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے قوانین کے برعکس اس میں روحانیت اور اخلاقی اقدار پوری طرح جاری و ساری ہیں ۔ شریعت اسلامیہ جب بھی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتی ہے، فرد کو کسی چیز کا حکم دیتی یا اس سے منع کرتی ہے تو وہ دنیاوی اور دینی ہر دو قسم کے مصالح کو پیش نظر رکھتی ہے(۱) ۔ انسان روحانی بلندی اسی وقت حاصل کرسکتا ہے جب وہ شریعت کے اوامر و نواہی پر کما حقہ عمل پیرا ہو، مومن جب شریعت کی پیروی کرتا ہے تو اس کو نہ صرف یہ احساس رہتا ہے کہ وہ اپنے فرائض و واجبات کو کما حقہ ادا کر رہا ہے بلکہ اس کو یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہے ۔ اس طرح وہ اپنے ضمیر کو بھی مطمئن کرلیتا ہے اور پورے قلبی اطمنان کے ساتھ حیات اخروی کی امید رکھ سکتا ہے ۔ شریعت اور روحانیت کے اس گہرے تعلق کو حکیم مشرق نے اس طرح بیان کیا ہے :

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن باعماق حیات

دین حق کی فطرت اور شریعت اسلامی کے احکام میں روح و مادہ اور دنیا و عقبی کا یہ حسین امتزاج ہی درحقیقت قیام عدل میں سب سے بڑا اور بنیادی عامل ہے ۔ جب تک لوگوں کے دلوں میں نور ایمان موجود ہے حدود اللہ کی پاسداری کا جذبہ بیدار اور باعمل ہے اور جب تک لوگوں کا ضمیر باشعور، باخبر اور دیانت دار ہے اس وقت ان کو ایک ایسی بصیرت حاصل رہتی ہے جو انسان سے شریعت کی مخالفت سرزد نہیں ہونے دیتی، اور یہی وہ بصیرت ہے جس کی موجودگی میں انسان کو کسی دوسری Balancing Power کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

---

۱ ۔ یہاں دینی و دنیاوی سے دو الگ الگ حقیقتیں مراد نہیں ہیں ، اسلام کی رو سے یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں بلکہ علامہ اقبال کے الفاظ میں وہی حقیقت ہمارا اپنا زاویہ نگاہ بدلنے سے مختلف دکھائی دیتی ہے ۔ بہر حال یہ محض ایک قسم کی تعبیر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بصیرت وہی قوت ہے جس کو قرآن کریم میں فرقان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے :

یا ایھاالذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا و یکفر عنکم سیئاتکم و یغفر لکم واللہ ذوالفضل العظیم ۔ (الانفال : ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تم کو فرقان عطا کرے گا وہ تمہارے گناہ تم سے دور کردے گا اور تمہاری مغفرت کردے گا ۔

ایک اور خصوصیت جو اسلامی قانون کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ یہ اپنے اوامر و نواھی پر عمل کرانے میں بنیادی طور پر جس قوت نافذہ سے کام لیتا ہے وہ خود انسان کے ضمیر کی قوت ہے، اس کا انحصار کسی مادی قوت پر نہیں جس کو کام میں لا کر یہ لوگوں کو مجبور کرے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں ۔ شریعت کا واضح اصول ہے :

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ۔ (آل عمران)

دین میں کوئی جبر نہیں اس لئے کہ ھدایت گمراھی سے متمیز ھوچکی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام اھنسا کے پجاریوں کی طرح ضرورت کے مواقع پر بھی قوت سے کام لینے کا مخالف ہے ۔ اس کی کوشش حتی الامکان یہی ھوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس قدر دینی جذبات بیدار کردئے جائیں کہ مادی طاقت سے کام لینے کی سرے سے ضرورت ھی نہ رہے، اور تاریخ میں ایسی بیشمار مثالیں موجود ھیں ۔ لیکن جہاں نشتر استعمال کئے بغیر چارہ نہیں اور دین حق کی رھنمائی سے نکل کر کسی سر میں جہانگیری کا باطل سودا سمایا ھو وھاں بہرحال اس کے علاج کے لئے نشترزنی سے کام لیا جائے گا ۔

بنیادی طور پر قلب و دماغ کو اپیل کرنے سے نہ صرف فرد کی آزادی کی حفاظت اور بقا کی ضمانت ھوجاتی ہے بلکہ اس کے ذاتی وقار اور عزت و شرافت میں بھی چار چاند لگ جاتے ھیں ۔

(باقی)

© rasailojaraid.com